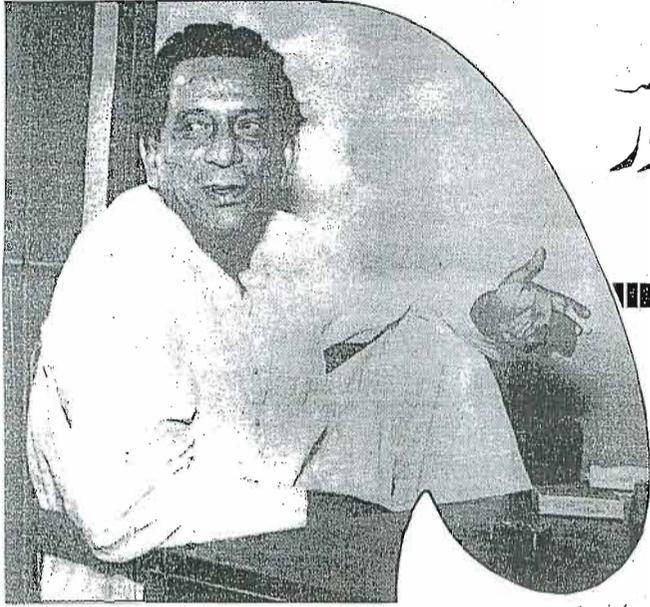


تحریک آزادی کے جہاں کے کارکن اور مشہور شاعر

خواجہ خورشید انور یحییٰ کے ایک نامور دستاویز وہ مکتوب
کے روز دکھاتے ہیں اور ان کے ہر پہلو پر عبور رکھنے کی
کیوں ان کی شہرت صرف نامور شاعر کے طور سے ہے انہوں نے
زندگی کے جس شعبے میں بھی قدم رکھا مائیں پوزیشن حاصل
بطور غالب علم فلسفے میں ایم اے کیا اور پھر نیشنل پوزیشن
حاصل کی۔ پھر آئی سی ایس روس کے تیار کیا اس سے قبل انہوں نے
بطور ایک نوجوان شاعر اپنا مقام بنانے کی طرف توجہ دی اس
زبان سے وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علم تھے۔
نذر محمد (ن۔م)، راشد اور فیض احمد فیض ان سے ایک سال
سینئر تھے۔ یہ ۱۹۳۲-۱۹۳۱ء کا دور ہے اس زمانے میں فیض احمد
شعر نہیں کہتے تھے۔ ان کے وقت کے یہ وہ خود خواہ
خوشحالانہ طور پر اپنے شعری افادات میں بیٹا تھا۔ اس وقت وہ



خواجہ خورشید انور کی کہانیاں

ملک راج آنڈیچے کی پرنٹ
تھے مگر ان کے دلائل
مجھے متاثر نہ کر سکے،



اشعر علی سکوتی

مجھے بھی انہیں غفلتوں سے بہ ذوق عطا ہوا۔ ۱۹۳۸ء میں
جب میں آٹھویں یا نویں جماعت میں پڑھتا تھا حسین نظامی کے
کی زمین میں ایک منزل کہا جو نیرنگ خیال میں شاعر ہوئی۔
اس زمانے میں امتیاز علی تاج، بیگم، حفیظ بھٹو، صوفی،
نیزام فتح پوری، ڈاکٹر محمد علی تاج، اختر شرانی، عبدالجبار
ساکس اور چراغ حسن حسرت جیسے فک نیرنگ خیال میں
پہچتے تھے۔ اختر شرانی اپنا ایک جریدہ روان نکالتے تھے
اس میں بھی نیرنگ خیال شاعر ہوا۔ جس زمانے میں نیرنگ خیال
میں میری نثر شائع ہوئی فیض احمد فیض بھی شاعر بن گئے تھے۔ انہوں
نے دراصل ۱۹۳۲ء میں گورنمنٹ کالج میں آکر شکر گوئی کا
آکا دیا اور جب وہ بطور نوجوان شاعر ابھرے تھے۔
انہوں نے ایک روز مجھے بتایا کہ انہوں نے میری ایک نظم
عمیرہ کو لیکر پورے فیصل آباد بھیجی تھی تاکہ میرے پاس
ہوں ان سے اچھا شاعر نہیں، اس تمام شکر گوئی کے بعد وہ
اس زمانے میں کلہاڑی غنیمت چھاری پھر وہ فیض احمد
محمد علی پور یا مدینہ عطار اللہ شاہ چھاری چھاری کا ہوں
ساتھ جوتے تھے، چھوڑ کر کہ ملاقات برسرِ سیکھتے۔
ان کے علاوہ حکمت علی، لوگ بھی میرے جیسے نوجوانوں

۱۹۲۸ء میں میری غزلیں

نیرنگ خیال میں پھبتی

تھیں اور اس وقت تک فیض

شاعری شروع نہیں کی تھی



فیض احمد فیض

غیب و ناز معلوم ہو رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میری
پر ایک کتاب لکھنا چاہتا ہوں میں مجھ میں اب اتنا سہارا
میں نے بہت کوشش کی ہے کوئی میرا ساتھ دے تو میری
کے ان نثریوں کو کہیں سے کاغذ پھیل کروں تاکہ موسیقی اور
موسیقی کے لیے مسالوں کی خدمات اور کارناموں پر ایک
سند کتاب وجود میں آجائے لیکن ابھی تک اس کی صورت
نظر نہیں آ رہی ہے مگر میں یہ متاع اپنے ساتھ ہی لے گیا تو مجھے
بہت افسوس رہا کہ کاغذ پر میرے ہر شعر کا نام کو سرفراہ
دینے کے لیے رشید علی اور علی عباس جیلا پوری میرا ساتھ
دیے۔ مگر یہ مرحلے میں ہمارے نظر میں آ گیا لیکن ان میں سے ایک
صاحب شاعر چیمہ احمد شکر ہیں جن اور دوسرے کہیں
میں۔ وہ کس طرح بیان آئیں گے اور کس طرح اس کام
میں میری معاونت کریں گے۔

آپ سے شکر کیا ہوں چھوڑ جاؤ
اور اصل پر ہی پوری توجہ مرکوز ہو گیا
فلسفے کی برسرِ والد صاحب پر مرقعاً فیروز دیں اپنے دل
موسیقی کی عقلیں کیا رکارتے تھے ان کو خوشی سے مٹا خفت تھا

میں ۱۷ برس کی عمر میں ہم
بنانے اور فرنگی حکمرانوں کے
خلاف دہشت پھیلانے
کے جرم میں گرفتار ہوا

باتوں اور ایام ہفتہ کا ذکر کیا ہے یہاں وہ کہتے ہیں کہ میرے ایک
دوست خورشید انور ہوشیار میں میرے کہے میں آجاتے تھے
اور وہیں سے کیونرم کے بارے میں نیرنگ خیال کے کہتے تھے۔
میں حیران ہوں کہ انہوں نے کس طرح انکار میں ان کے کہنے
میں توجہ دیا تھا مگر باقی بچے اور نہیں۔ عرف بیکہر سکا ہوں کہ
خوب کیونرم کے مجھے متاثری نہ کر سکا ہوں کیونرم کا نیرنگ
نیرنگ خیال کے بارے میں انہوں نے شکر مائیں نیرنگ میں کہا ہے
کتاب ۲۰ سال آٹھویں میں ذکر کیا ہے
۱۹۳۵ء میں ہم ایم اے کے امتحان میں داخلہ تو لیاں
صاحب زادہ محمد انور اور ان کی بہن ڈاکٹر رشیدہ جہاں سے
ان کی ملاقات ہوئی وہ ہمیں پوری بھی تو نہیں پڑھاتے تھے۔
اور نیرنگ خیال کے رشیدہ نے تو اس کی ایک کاپی ہمیں
میں دہشت گردی۔ ان کو نیرنگ خیال ڈاکٹر محمد علی تاج کا بیٹا
پڑھتے تھے۔ وہیں نیرنگ خیال کے بیٹا ڈاکٹر محمد علی تاج
تخریب میں زیادہ توجہ دیتے تھے ان کے لیے رشیدہ جہاں
ان کے علاوہ حکمت علی، لوگ بھی میرے جیسے نوجوانوں

ورق ورق زندگی: ۳

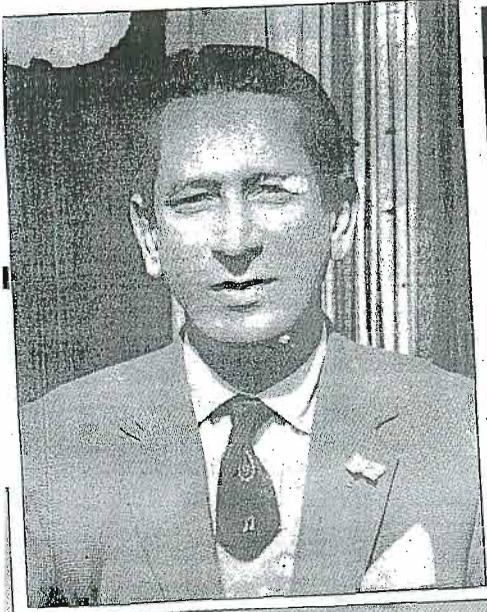
انتخاب کرتے۔ شاید یہ انگریزی مال کا باجی بکھٹ تھا
یوں لگتا ہے وہی کے انتخاب اور آج کے شعرا و شاعر
پہلے کا حکم تھا۔ یاد آ رہی ہے اس وقت صلیح علی پور شہر
کوڑا ل کا شیخ صاحب کے پارٹی پر سکولوں کے ٹاٹ پر ہم
لکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی کہہ سکتے ہیں کہ فیض احمد فیض
مغل مصنف اور ان اشعار کی روایات کے مطابق
کی ضرورت تھی لیکن انہیں کہاں تھے دراصل انہیں
کانٹوں میں داخل ہوا اور ان کے شاہکاروں کے سوا ان
اور ان شاگردوں کو کوئی چیز نہیں ملتی جن کے دلتوں
فارغ التحصیل ہونے والے دنیا کو علم و دانش کے
دے گئے۔
مگر ہم کو تسلیم ہے کہ انہیں رکھا جا سکتا ہے۔
چنانچہ تسلیم کی ابتدا انہیں ان کا عدہ ۱۰
سے ہوئی۔
اور پھر مکتبہ اور گلستان سوری،
کوہا پور پبلشرز کے برہان ما
کوہا پور پبلشرز کے برہان ما
لوی صاحب ہماہم خوش خط تھے سب
کے کہہ رہے تھے کہ انہوں نے جو شاعر بنائے تھے ان کا نام
طرح لکھا تھا۔
گلستان سوری
مکتبہ البرصیہ قادری
قادری اس کے کہہ رہے تھے کہ انہوں نے جو شاعر بنائے تھے ان کا نام
تھے اور ہمارا نام بھی اس رعایت سے ہوا ہے۔

”گرمیابہ بنجھتا برہان ما!“
ابو سعید قریشی
ابو سعید قریشی نے ۱۹۸۳ء کو وفات پائی۔ وہ ایک
کسی کی زندگی کے ارادے تھے؟ یوں لگتا ہے جیسے جو ان کی
نام کے مددگار بن گئے۔ انہوں نے اس سرگرم
کا عنوان اسحاق دلی۔ یاد رہے چالیس سالوں میں اس سو
کے باقی اور ان غفلتوں میں انہوں نے اس بارہم آج کے
سے ۱۹۱۳ء میں ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والدین
کوڑا ل کی کوچی میں تھے۔ ان کے والدین نے ان کی تعلیم
پہلے نیرنگ خیال میں حاصل کی تھی۔ ان کے والدین نے ان کی
سے پر بارہم کھانہ میں مشغول ہو گئے اور ان کے والدین
دیں رہا ہے کہ ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں
کے ساتھ ساتھ ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں
پڑھائی۔ ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں
اس دور میں ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں
کے ساتھ ساتھ ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں
پڑھائی۔ ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں

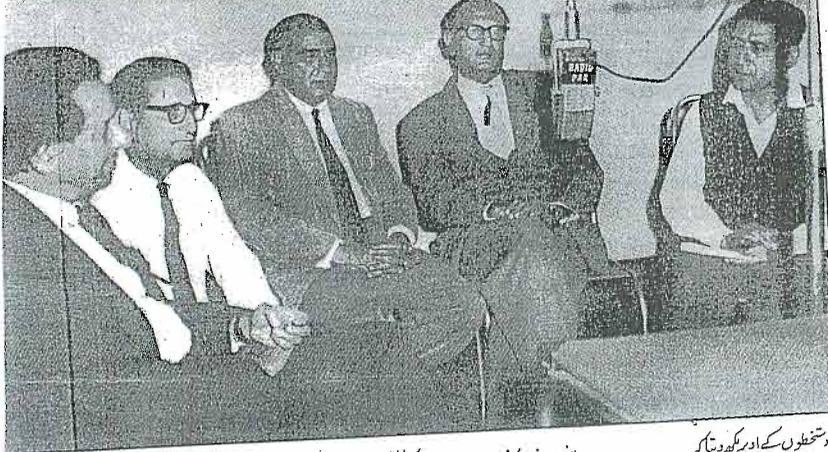
ابو سعید قریشی نے ۱۹۸۳ء کو وفات پائی۔ وہ ایک
کسی کی زندگی کے ارادے تھے؟ یوں لگتا ہے جیسے جو ان کی
نام کے مددگار بن گئے۔ انہوں نے اس سرگرم
کا عنوان اسحاق دلی۔ یاد رہے چالیس سالوں میں اس سو
کے باقی اور ان غفلتوں میں انہوں نے اس بارہم آج کے
سے ۱۹۱۳ء میں ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والدین
کوڑا ل کی کوچی میں تھے۔ ان کے والدین نے ان کی تعلیم
پہلے نیرنگ خیال میں حاصل کی تھی۔ ان کے والدین نے ان کی
سے پر بارہم کھانہ میں مشغول ہو گئے اور ان کے والدین
دیں رہا ہے کہ ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں
کے ساتھ ساتھ ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں
پڑھائی۔ ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں
اس دور میں ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں
کے ساتھ ساتھ ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں
پڑھائی۔ ان کے والدین نے ان کی تعلیم کوڑا ل میں

تحریک آزادی کے جہاں کارکن اور عظیم موسیقار

خواجہ خورشید اور کی کہانی



موسیقار و تنظیمی، عادل علی عابد، سید رفیق عثمانی، اور خواجہ خورشید اور کی کہانی کے مصنفین اور شاعرانہ اسٹوڈیو میں شہزاد



رفیق پیر میرا دکھا دیکھ کر بہت خوش ہوا

اصغر علی کوثر

جاکتے جاکتے گھم گھم دوڑ گئی موسیقار اور خواجہ خورشید اور کی تحریک آزادی کے جہاں کارکن اور عظیم موسیقار کا نام آتا ہے۔ ان کے گھر سے تریا یک ڈرامے لگے ایک باہم علم کی لڑائی واقعے سے خواجہ صاحب بیگ نے نماز پڑھنے کی بجائے اور اگستے ہیں۔ وہ نماز گھر کے اندر کیلئے اگستے ہیں ڈالنے تو نمازوں کی بروقت ادائیگی میں مزاحم ہو سکتے ہیں۔ بے ایک روز تین دنوں پر ہم نے نماز گھر سے بیٹے ملائے تاکہ وہ لے گیا۔ میں جب وہاں پہنچا تو انہوں نے ایک ایسے برآمدے میں کرسیاں لگا رکھی تھیں جہاں سے وہ باہر کا منظر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں اپنی نظمیں زندگی کا ذکر کر چکی ہیں ملائے میں تفصیل سے کروں گا لیکن آج یہ سنانا چاہتا ہوں کہ گھر گھومتے، تھرازا، اور، چنگاری، میری اسی فلمیں تھیں جن کی ڈائریکشن اور موسیقی کے علاوہ مگر پٹ اور دیگر چیزیں ہیں۔ میں نے ہی تحریر کیا تھا، انتظار، زہر عشق اور بھومر میں موسیقی کے علاوہ دیگر شعبوں میں میرا کیا کنٹری بیوشن تھا یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔

ہوتے ہیں وہ اپنے گھر کو جہاں بانی اور ساتھی تھے کرتے ہیں اس کی سہیلیاں سے روز روز اپنی گھر کو گھر میں پانچ سال تک لنگھتی ہیں، وہ تو بالکل انگریز ہیں جہاں بیٹے وہ نہیں کیے بیچنے کا یہ باتیں سن کر لڑائی پر دست برداری ہو جاتی ہے وہ گھر کی تھرازا لگنے کے لئے ایک ایک کمرے پر بیچ کر دروازے پر آ جاتا ہے وہ واقعی ایک انگریز کی طرح ہے کہ جس نے وہ عجمی سنی بیٹے لگائے تھے اس کے طور انوار دیکھ کر وہ اپنی تھرازا جاتی ہے اسی نشان میں ان کا گھر کھل جاتی ہے اور جب اس کا بیٹا گھر آتا ہے تو وہ دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے اس میں انگریزوں والی کوئی بات نہیں ہوتی۔ نہ ہی وہ اپنی بیٹی کے کوئی نفرت کرتا ہے۔ سن کر اس نے انگریزی میں اس سے بیچ کر نہیں لیا ہوا۔ انگریزوں کی بیٹی ہے ہرے سے اس کے ڈرانے کا نام فقہاء والی بیٹی ہے۔

انہوں نے جہاں سے لاہور والی انگریزوں کو لگایا وہ لاہور میں سے ہونے لگے۔ رات کے گھر پر ڈیرہ جا لیا۔ ریڈیو کے سے بھی لگنے لگے۔ رات کے گھر والی اسے پھر بیچ دیکھ سونے دیتے اور بارہ بجے دن تک اس کا انتظار کرتا رہتا ہے پھر وہ سر پہ لٹی باہر کمرے سے برآمد ہوتے اور نشہ کر کے اس کمرے کے علاوہ ہر جگہ سے وہ تین سال تک لیجن تک انہوں نے شادی نہ کی۔ شیخ خورشید اور کی کہانی کے کہتے ہیں۔ وہیں ان سے میری ملافت تین ہفتے ہیں، ایک دفعہ رفیق پیر، سندھ تک زیادہ وقت آئے۔ کونہ ہی میں ہنر ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ ایسا کیا اور نامہ سر انجام دے، میں کہہ کر کہیں کوئی ہنر بیچتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں بیچنے لگتا ہوں، فراموش نہیں ہوں۔ لگے گھنٹا کوئی آسان بات نہیں، میں نے ان سے کہا کہ آپ بیچنے کے لئے لکھیں۔ مجھے اس میں شکر ہے، میں اس کے والدین تک ایک ہی نشہ تین ایک ڈرامہ لکھ کر لکھوں گا۔ انہوں نے جہاں سے مجھے دیکھا لیکن جانتے ہوئے واقعی بیچنے کے لئے مجھے بند کر کے پھر رات کو دیکھنے والی آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے، میں اپنا ڈرامہ لکھ کر لکھتا تھا جیسے کہ میں بیان کر چکا ہوں، رفیق پیر، خود ایک بڑے فنکار تھے۔ ان میں ہر روز خود ہی جو لڑنے کے لئے لگے، آدا کاروں میں ہوتی تھی۔ ان کی ڈراموں کو لکھنے کی کمال کی تھی ان کی عادات بھی بڑے ہی آدا کاروں والی تھیں۔ لڑنے کو چاہتے تھے، یہ سب سوتے تھے، مولانا رات ہی کہتے تھے۔ انہوں نے خود سکر آرا ریڈیو ڈرامے لکھے۔ پہلے ننگے پاؤں لگنے کے لئے، انہوں نے اپنے بہت تھکے ڈرامے لکھے، وہ ریڈیو ایکٹنگ کے ماہر آدمی تھے جانتے تھے کہ ہر ڈرامہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ میں ریڈیو سے خود اپنے ڈراموں کو لکھ کر اور ہر روز لکھ کر ان کے لئے لکھ کر داتا

کاغذ بھرا کر اور والہ کے دستوں کے اوپر لکھ دیتا کہ PLEASE ADMITTO بزرگ کارگزارات ہوں اور میں ملوں تھپڑ دیکھتا ہوں ایک روز والہ صاحب نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ میرا آپ کے روز روز تھپڑ جاتے تو ہم نے تو باہر سے، میں نے مسکرا کر ان کو جواب دیا کہ ڈرامے لکھتے ہیں تو انہیں میں بھی پہلا کاغذ نہیں۔ ہر حال میں یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ اس تھپڑ کے ذریعے میرے اس ذوق نے بڑا اثر کیا، اس زمانے میں ایک اور دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ گروت کی ایک ممتاز شخصیت پیر قمر الدین کے ایک دوست جہاں سے ان کی تربیت کے کر کے جن کا انہماک شیعہ ڈرامے لکھنا تھا انہوں نے دنیا کے ایک بہت بڑے ڈائریکٹر ان کا ہاٹ سے آئیٹ لکھا اور ان کے کشا گرومے۔ رات دن ہاٹ دینا کے تین بڑے ڈائریکٹر ان میں شمار ہوتا تھا، پیر قمر الدین سے متعلقہ ہی پیر قمر الدین سے متعلقہ ہی کے ایک ادارے پر لکھتے اسے میں میں شامل ہوتے۔ ان کا نام تھا رفیق پیر۔

رات تھپڑ میں گزرنے کی وجہ سے صبح مہجھ سکول میں تین دن آتی رہتی تھی اور میرے استاد صاحب۔۔

آپ لکھتے ہیں کہ ان فلموں کی کیا مثال اور منظر نامے آپ نے خود تحریر کیے، تو کیا آپ بیٹے ڈرامے لکھتے دیکھتے ہیں ایک دلچسپ داستان ہے۔ میرے والد ماجد خواجہ رفیق الدین لندن میں اپنے قیام کے دوران تھپڑ دیکھنے اور تھپڑ میں صدر لینے کے مشورے تھے، جب وہاں سے ہوتے تھے تو جہاں کی ایک تھپڑ دیکھنے کی سہولت تھی، اس کا مالک ایک باڑی تھا، جو والد صاحب کا بڑا گھر اور دوست تھا اس کے تمام مقدمات کی سماعت کے دوران ہی وہی دی بلوڑا اور ڈیوٹی پیش ہوتے تھے۔ ایک روز وہ مجھے اس تھپڑ میں لگے تھے، میں وقت تھپڑ میں باسٹون میں جا کر طالب علم تھا، مجھے ڈرامہ دیکھ کر بہت لطف آیا، چنانچہ میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گروت کو اپنے بستر پر لکھ کر اس پر چادر ڈال دیتا اور خود تھپڑ دیکھنے لگتا تھا، اس زمانے میں تھپڑ گرتے تھے، میں جا جا کر ہر تھپڑ جاتے تھے، میں والدین کے بستر پر ڈرہن پڑا کر سکول جانے کا وقت ہوا، رات چلنے کی وجہ سے روزانہ لگے کلاس میں اپنے ڈرامے لکھنے آجاتی اس صورت حال سے ہم کو کمرے سے بچنے پھرنے پڑے، گروت جگا، انشا خورشید اور خواجہ خورشید اور کی کہانی کے مصنفین اور شاعرانہ اسٹوڈیو میں شہزاد

تحریک آزادی کے جہاں کے کارکن اور مشہور سید کا

کی کہانی (۴)

اصغر علی جکوش

مستحق کی دنیا میں تو میرے خیر خواہ اور کارکنوں کا ایک ایک نام یاد رہتا ہے۔ میرے بارے میں کئی مکتوبوں اور اخباروں کی ذمہ داریوں نے اس قدر یاد رکھا ہے کہ اس وقت تک کہ میں اس دنیا سے نہیں ہٹتا۔

میرے خیر خواہوں میں سے ایک شخص ہے جس کا نام علامہ اقبال ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔

اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔



پہلا بیتا کا رمسو دیر میرے مستحق اور خیر خواہ اور کارکنوں کا ایک ایک نام یاد رہتا ہے۔

آفتاب اقبال میرے پاس آئے کی میری ابا جان (علامہ) سے صلح کروا دیں!

میرا ایک دوست ہے جس کا نام علامہ اقبال ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔



میں علامہ اقبال کی گود میں کھینا ہوا

میرے والد کا نام علامہ اقبال ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔

میرے والد کا نام علامہ اقبال ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔

میرے والد کا نام علامہ اقبال ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اس کا نام میرے لیے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔

آپ کا یہ ہفتہ کیسا گذرے گا؟

ستارے کیا کہتے ہیں؟

یومِ جولائی سے ما جولائی تک

پہلا 1 جولائی تا 7 جولائی	دو 8 جولائی تا 14 جولائی	تیس 15 جولائی تا 21 جولائی	چوتھی 22 جولائی تا 28 جولائی	پنجم 29 جولائی تا 31 جولائی
<p>آپ کا یہ روزگار اور زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو گا۔ آپ کو نئے نئے مواقع اور مواقع مل سکتے ہیں۔ اس وقت میں آپ کو اپنی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو گا۔</p>	<p>آپ کو اپنی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو گا۔ آپ کو نئے نئے مواقع اور مواقع مل سکتے ہیں۔ اس وقت میں آپ کو اپنی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو گا۔</p>	<p>آپ کو اپنی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو گا۔ آپ کو نئے نئے مواقع اور مواقع مل سکتے ہیں۔ اس وقت میں آپ کو اپنی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو گا۔</p>	<p>آپ کو اپنی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو گا۔ آپ کو نئے نئے مواقع اور مواقع مل سکتے ہیں۔ اس وقت میں آپ کو اپنی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو گا۔</p>	<p>آپ کو اپنی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو گا۔ آپ کو نئے نئے مواقع اور مواقع مل سکتے ہیں۔ اس وقت میں آپ کو اپنی زندگی میں ایک نیا دور شروع ہو گا۔</p>

تحریک آزادی کے جیلے کارکن اور عظیم ہوسیتھار

خواجہ خورشید انور

کی کہانی

میں عقیدہ ہر دعا کو دوا کی تاثیر تصور کرتا ہوں

اصغر علی کوثر

چند برس پہلے جب فلم مرزا جٹ لاہور تک بھل کر رہے تھے خواجہ صاحب سے ان کے مکان پر منڈا نہشت ہوتی تھی۔ ان کے مکان کے قریب ایک صاحب حلیل تھے۔ انہوں نے انجمنی لکھوایا تھا۔ جو غالباً پنڈل کی وجہ سے خراب ہو گیا اور پھر یہ خواب آتی رہی کہ اس شخص کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ ۱۹۱۲ء برابر ہوا تھا مگر کل صحت کی امید بہت کم تھی۔ اس علاقے کے ڈاکٹر اور دیگر لوگ اس صحت خرابی سے پریشان تھے۔ انسان بنیادی طور پر غیر طلب جالوز ہے اور کسی کو تکلیف میں یا زیادہ دیر تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ خواجہ صاحب بھی اس شخص کی عیادت سے آگاہ تھے۔ ایک روز انہوں نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں، اللہ اللہ تعالیٰ مرعین کو شفا ہو جائے گی اور رب العالمین ان کو صحت کاملہ عطا کر دے گا۔ میں عقیدہ دعا کو ہر دوا کی تاثیر تصور کرتا ہوں، کیونکہ انسان پر جو مصائب آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی ختم کر سکتا ہے۔ کسی بیماری کی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی اور اس کی رخصتی کا سبب بھی نظر نہیں آتا۔ ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک خاتون کے ہاتھ شفقت کی وجہ سے سوج چکے تھے وہ درد سے کرا رہی تھی۔ نرم و ضرب کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے چند معروف ادویہ استعمال کرانی گئیں مگر افات نہ ہو۔ آخر ایک مرد کلندر نے تجویز کیا کہ صحت گرم پانی میں ہاتھ جھگوئے جائیں اور دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ شفا دے مے تو انشاء اللہ العزیز شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ ہوا اور خاتون نے پانی میں اپنے ہاتھ جھگوئے ہی کہا کہ میری تکلیف رفع ہو گئی ہے۔ مجھے بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس خاتون کو شفا دی تھی اسی طرح خواجہ خورشید انور کی دعا کو شرف قبولیت بخشے۔ ہوسے وہ ان کے بڑے ہی کو شفا دے دے اور ان سے کہا کہ خورشید انور کو بھی بلوائیں۔ اس زمانے میں فیض انور فیض لکھنؤ اور ریڈیو سٹیشن کی پرانی بھانجی کے

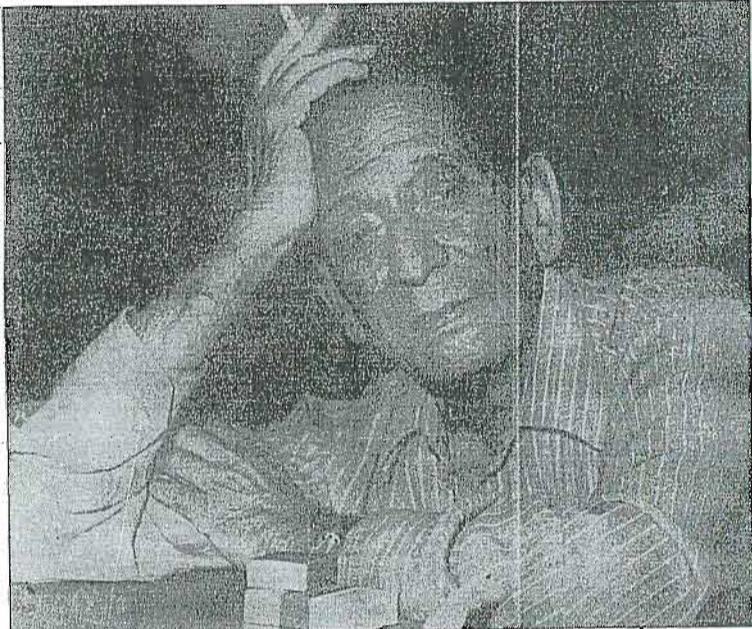


آئی سی ایس کا امتحان
دینے گیا تو پاپیس کی
رپورٹ سراسر میرے
خلاف تھی

بالآخر انہوں نے اپنی دل کی بات کا اظہار کیا اور کہا کہ آج ہم خورشید انور سے لانا بھی سنیں گے۔ میں نے شاہ صاحب سے کہا کہ اگر آپ پہلے اس آرزو کا اظہار کرتے تو پہلے پارٹویم سارنگی وغیرہ انتظام کریں جتنا کہ بنگلہ روم کے بغیر تو گناہ بہت مشکل ہو گا آپ جانتے ہی ہیں۔ کہے کہ تان پورہ ہی ہوتا تو میں آپ کی فرمائش پوری کر دیتا۔ شاہ صاحب نے کہا کہ تان پورہ کی کیا بات ہے میں ابھی ٹھکرا دیتا ہوں۔ انہوں نے آغا شہیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ جاؤ بھیجی آپ تو سٹیشن ڈسٹرکٹ میں اور ریڈیو سٹیشن کوئی دور نہیں صرف آپ نے سلفے والی سڑک ہی عبور کرنی ہے۔ جا کر تان پورہ لے آؤ۔ آغا شہیر کے لئے اس سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ تان پورہ لائے۔ جب وہ ریڈیو سٹیشن کے گیٹ پر پہنچے تو چونک کر ان کو پہچاننے کے لئے بڑی دیر تک تیار نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ بھلا آغا شہیر کا کیا کام ہے کہ وہ اس وقت ریڈیو سٹیشن آئے اور وہ بھی تان پورہ لے جانے کے لئے اس کے پاس تو اتنے ملازم ہیں کہ وہ جہاں چاہے وہ تان پورہ لے جائیں۔ وہ خود کیوں تان پورہ اٹھائے گا۔ بہر حال آغا شہیر جو کلیدر کو یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہی آغا شہیر تھے۔ چنانچہ چونک کر ان کو اندر آنے کی اجازت دی۔ ریڈیو سٹیشن کھولا گیا اور آغا شہیر کے دیر کے بعد خود تان پورہ اٹھائے ہوئے اس عمل میں مدد دہوئے جو ان کی منتظر تھی۔ خیر تان پورہ تو آ گیا مگر میں اس وقت گانے کے موڈ میں نہ تھا۔ پھر بھو شاہ صاحب کی فرمائش کو مالا نہ جاسکتا تھا۔ کچھ دیر تک میں گانا بجا اور احباب مطلق اندازہ ہوتے رہے۔ جب یہ عمل ختم ہوئی تو رات کافی گزری تھی۔ آج میں جب اپنے آئی سی ایس ہونے کا ذکر کرتا ہوں تو شاہ صاحب مجھے یاد آتے ہیں کہ اگر انگریزی اچھی نہ ہوتی تو شاید میرے والد کو یہ خیال بھی نہ آتا کہ میں آئی سی ایس ہوتا۔ آئی سی ایس کا امتحان دینے کے لئے میں دلی گیا۔ وہاں بڑا اچھا موسم تھا اور جب موسم اچھا ہوتا ہے تو شاعرانہ اور فنکارانہ مزاج رکھنے والا نوجوان تو اور بھی مطلق اندازہ ہوتا ہے۔ میری بھی یہی کیفیت تھی۔ دلی میں قیام کے دوران میں کسی پورٹل یا پورٹل کا اہتمام نہ تھا بلکہ ایک ڈی ایس پی (پان سز پر ملاحظہ فرمائیں)

پیر غازی روڈ پر ایک محل صحت مند انسان نظر آتا ہے اور اپنے کاموں میں مصروف ہے۔ خواجہ صاحب گفتگو کرتے ہوئے کسی واقعہ کا تسلسل اپنا ٹوڈ کر کوئی اور واقعہ سنا دیتے ہیں، جو اپنی جگہ دلچسپ اور معلومات افزا ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے آئی سی ایس ہونے کا ذکر کرتے کرتے پروفیسر سید احمد شاہ بخاری (پطرس) کا تذکرہ شروع کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ جب میں گورنمنٹ کالج لاہور میں پطرس آ رہا تھا۔ پطرس میرے استاد تھے۔ مجھے یاد ہے کہ انگریزی کے پرچے میں انہوں نے ۱۵۰ سے ۱۵۰ نمبر ہی لکھے دیئے اور نہایت تمہیں وقت کی نگاہوں سے دیکھا میرے والد نے غالباً اسی زمانے سے یہ فیصلہ کر لیا ہوا تھا کہ مجھے آئی سی ایس کرانی چاہئے۔ بعض احباب کی ملاقات تھی کہ پطرس بخاری بہت عزیز رکھتے تھے۔ میرے اس فیض کے علاوہ جو لوگ اس عمل میں موجود تھے ان میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسم جو اہلحدیہ مسلک اور ریڈیو والے آغا شہیر بھی شامل تھے۔ رات کے ایک گھنٹہ ہوتی رہی۔ کوئی خاص موضوع نہ تھا۔ محض محاط حکم سر میر اس عمل میں موجود تھی مگر پطرس بخاری نے فیض انور فیض لکھنؤ اور ریڈیو سٹیٹن کی پرانی بھانجی کے

خواجہ خورشید انور ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے اور اس وقت وہ بہتر ہی گذر چکے ہیں۔ انہوں نے جہاں زندگی کے دیگر شعبوں میں کالات دکھائے اور ایک خوش قسمت انسان تصور کئے گئے وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات انوری و بابرکات نے اس اعتبار سے بھی ان کو ایک نہایت خوش نصیب انسان بتایا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ ستر سال سے بھی زیادہ عرصہ تک ان کے ساتھ رہیں اور گزشتہ سال اس دار فانی سے رخصت ہوئیں۔ خواجہ خورشید انور زندگی بھر ان کی خدمت کرتے رہے اور یہ شکر ان کے دل میں باقی نہ رہی کہ وہ بھی بھر کر اپنے والدین کی خدمت نہ کر سکے شیخ سید کے قریب پیر غازی روڈ پر ہیں قریباً دس سال تک خواجہ صاحب کے قریب رہائش پذیر رہا ہوں۔ ان کے انداز و اطوار میں سبھی کوئی فرق نہیں دیکھا۔ جب ان کے جسم میں زیادہ استقامت تھی وہ تمام نمازیں مسجد میں ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک روز وہ گھر سے نکلے تو اپنے ڈھیٹے ڈھالے انداز میں مسجد روانہ ہوئے۔ بگڑا ہوا منزل پر پہنچنے سے پہلے ایک بڑھے کی زد میں آ گئے۔ جس سے ان کا پاؤں معزوب ہوا اور وہ کئی ماہ تک مدد کی لذت سے آشنا ہوتے رہے۔ اس زمانہ میں انہوں نے یہ بھی اندازہ کیا کہ ان کی مزاج پرسی کے لئے کون کون آیا اور کہیں کہیں نے ان کی کمی ہوس کی۔ اگرچہ وہ کسی سے شکایت نہیں کرتے ہیں تاہم ایک انقلابی کی طرح ہر بات کا دھیان رکھتے ہیں۔ بیان تک کہ اگر ان کے پٹرس میں یا ان کے مکان کے قریب دھجاریں کسی کی طبع نامساخ ہوتی ہے تو وہ اس سے باخبر ہوتے ہیں اور غارت ادا کرنے کے بعد اس کی صحت کے لئے دعا کرتے ہیں۔



ریڈیو کے افسرجن ہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ -- ٹھہری کو دادرا ناں میں کیسے گایا جانا ہے

خان لہنا خانہ علی گانہ میں شمال تھے۔ ۱۹۶۰ء میں اس وقت ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل کے پاس گئے کہ خریدنا اور کوڑے جانے۔

جائے جب میں اس وقت اس وقت کے ٹی وی پر ڈرامے کے لئے پرنسپل ہوا تھا تو ڈائریکٹر جنرل نے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ خریدنا اور کوڑے جانے مگر وہ دن چھوڑنے اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میں ریڈیو کا سٹریمنگ ٹیکنیکل سپر ویزر ہوتے تھے۔ اس وقت میں ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل نے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ خریدنا اور کوڑے جانے مگر وہ دن چھوڑنے اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میں ریڈیو کا سٹریمنگ ٹیکنیکل سپر ویزر ہوتے تھے۔ اس وقت میں ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل نے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ خریدنا اور کوڑے جانے مگر وہ دن چھوڑنے اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میں ریڈیو کا سٹریمنگ ٹیکنیکل سپر ویزر ہوتے تھے۔

تھا کہ وہ دن میں اس وقت میں ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل نے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ خریدنا اور کوڑے جانے مگر وہ دن چھوڑنے اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میں ریڈیو کا سٹریمنگ ٹیکنیکل سپر ویزر ہوتے تھے۔ اس وقت میں ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل نے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ خریدنا اور کوڑے جانے مگر وہ دن چھوڑنے اور دیکھنا چاہتے ہیں۔

اس وقت میں ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل نے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ خریدنا اور کوڑے جانے مگر وہ دن چھوڑنے اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میں ریڈیو کا سٹریمنگ ٹیکنیکل سپر ویزر ہوتے تھے۔ اس وقت میں ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل نے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ خریدنا اور کوڑے جانے مگر وہ دن چھوڑنے اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میں ریڈیو کا سٹریمنگ ٹیکنیکل سپر ویزر ہوتے تھے۔ اس وقت میں ریڈیو کے ڈائریکٹر جنرل نے کہا کہ تم چاہتے ہو کہ خریدنا اور کوڑے جانے مگر وہ دن چھوڑنے اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میں ریڈیو کا سٹریمنگ ٹیکنیکل سپر ویزر ہوتے تھے۔

سرورس جوائن کر لی اور ریکی میں پاکستان کے سفارت خانے میں رہے۔ جس زمانے میں وہ انگلش ٹاک کے انچارج تھے ایک صاحب تاج الدین امیر سے اسٹنڈسٹ جوتے تھے وہ قیام پاکستان کے بعد اسٹنڈسٹ شیش ڈائریکٹر لاہور کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ جب وہ میرے اسٹنڈسٹ تھے میں نے ان کے ذمے یہ کام لیا تھا کہ لکھا تھا کہ چونکہ آڈیشن یعنی آواز کا ٹیسٹ دینے کے لئے آج ہیں۔ ابتدائی مرحلے پر وہ ان سے ملاقات کی کہیں اور آگے کی جوہر قابل نظر آئے تو مجھے اطلاع دی جاتی ہے میں پھر اس کو سن کر فیصلہ کیا کہ آواز اس کو کس حد تک سننے دیا جا سکتا ہے یا یہ دیکھا جائے کہ بطور فن کار اس کے چھوٹے چھوٹے کامکات کتنے ہیں چنانچہ انہوں نے ایک روز مجھے فون پر بلا کر خورشید صاحب ایک گانے والی لائی ہے۔ خوب گاتی ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس کے کہہ سکتے ہیں۔ اب یہی ذرا اسے سنیں اور کوئی فیصلہ کریں۔

میں اس کر کے میں گیا جہاں آڈیشن دینے والے فنکار بیٹھے ہوئے تھے تو دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت اور خوش مزاج بال بھرے ہوئے بیٹھی ہوئی تھی بات چیت سے معلوم ہوا کہ میں داد سب آواز کا ٹیسٹ وہ گلا گلاہے گا میں نے اسے آگے لہانے کے اسد لہان کی شاگرد تھی۔ اگر گھر آؤ گا میں ایک ایک ڈراما گھڑا ہے اور کلاسیکل میوزک میں ایک باندھ مقام رکھتا ہے پھر خان صاحب اسد لہان ہر سنے مانتے ہوئے گانے لگتے تھے کوئی جذبہ تھی کہ ان کی فن کی جھلک اس ٹیٹو کارہ کا آواز سے تیار ہیں نہ ملتی۔ میرے اسٹنڈسٹ پر جب اس نے تان پور سے پرانے لہان رکھیں اور اپنے لہان کو جنبش دی تو میں سمجھ گیا کہ تاج الدین نے پوچھے اسے ہاس نہیں کر لیا تھا۔ اس نے منہ ان کی ڈی مٹرورنگ کا اور لہان بھرے ہی اپنے اچھی فن کارہ ہونے کا احساس دلایا اس نے دو تین لہان کہے تھے اور استقامتی سے انہی کے طرف اپنے سفر کا آغاز کیا میں تھا کہ میں جہاں چوکیا اس کے معیار کی گمانے والی اس زمانے میں ریڈیو سٹیشن پر کوئی نہ تھی میں اس ٹیٹو کارہ کو سن کر جہاں

نادر سے زمانہ کا عالم نہیں چلیب رہا ہے۔ ہر سنے ہوئے بلکاڑہ ڈوڈھار فن کار اس دن سے ہر احساس سے کر دہشت ہوئے کہ کسی سنے ان کی قدر نہ کی کسی نے ان کی اہمیت اور عظمت کو تسلیم نہ کیا۔ شاید میں وہ احسان ہے جو ایک سال کے سینہ اس احساس سے بڑا تم ہو گیا ہے اس زمانے میں جی جوتھالی ترقی یافتہ زمانہ تصور ہوتا ہے انسان کے احساسات کے حلقے کے کوئی شین ایڈیشن کی جاسکی فنکار کا لگاؤ تخرک سے والے بہت کم لوگ پیدا ہوتے ہیں زندگی میں بڑے فن کاروں کے حواس اور خواہ موجود ہے ان پر الزامات غائب کئے گئے۔ ان کو نظر انداز کیا گیا اور ایسے لوگوں کو ان کا ہم بلہ ادرہم سر قرار دیا گیا جو شاید ان کے خوش قسمت ہیں نہ ہو سکتے تھے۔ فن سے نا آشنا لوگوں نے فن کاروں پر تنقید کی بلکہ ان کو تنقید کا نشانہ بنا لیا۔ فن کار سے لے کر مقام ہر مانے سے زیادہ خوفناک ہو گیا ہے جو شخص فن کی اہمیت سے نا آشنا ہو جائے۔ فن پر ہادی فن کار کو نشانہ بن کر آواز دہرائے۔ خواجہ خورشید اور سنے اس سلسلے میں ایک واقعہ آیا جن دنوں وہ ریڈیو سٹیشن دی میں میوزک کمیشن کے انچارج تھے اسکیل میں فن کاروں کو نشانہ کر کے پروگرام دیا۔ ان کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی فن کار ایسا نہ دے جو شخص اس لئے ریڈیو سے دور ہو کر ریڈیو حکام تک اس کی رسائی یا نشانی نہ لگائی۔

تحریک پاکستان کے جیلے کارکن اور عظیم موسیقار خواجہ خورشید انوار کی کہانی

۱۵

میں نے ریڈیو کو اپنے فاقی سفر کا ذمہ بنایا